

قسط (۲) آخری

علم ہیئت کا ارتقاء و اسلام

چوتھا یا موجودہ دور، حرکتِ زمین اور سکونِ شمس کا نظریہ:

یہ نظریہ ہیئت اپنے تمام معتقدات سمیت تقریباً ۱۸۰۰ سال تک دنیا بھر میں مشہور و مقبول رہا۔ بالآخر یورپ کے ایک ہیئت دان کوپرنیکس نے سولہویں صدی عیسوی کے آغاز میں یہ آواز بلند کی کہ موجودہ نظام ہیئت میں بہت سی غلطیاں ہیں۔ اس کے برعکس کوپرنیکس نے زمین کی محوری گردش اور سورج کے گردش سالانہ گردش کا نظریہ پیش کیا اور واضح طور پر اعلان کیا کہ سورج متحرک نہیں بلکہ ساکن ہے۔ لیکن کوپرنیکس کے بعد ایک دوسرے ہیئت دان میکو براہی نے کوپرنیکس کے نظریہ کو رد کر دیا اور تھوڑی سی ترمیم کے بعد اس پہلے نظریہ بطلمیوس کو صحیح قرار دیا جس میں زمین کو ساکن قرار دیا گیا ہے اور سورج اور دوسرے تمام سیارے اس کے گرد گردش کر رہے ہیں۔

بعد ازاں اٹلی کے ایک ہیئت دان گیلیلیو نے ایک دوسرے ہیئت دان (دالینڈ) کی مدد سے کئی قسم کی دھڑبھین تیار کیں۔ ان کی مدد سے جب اجرامِ فلکی کا مشاہدہ کیا تو کوپرنیکس کے نظریہ کو بہت درست پایا۔ سالاہ سال کی محنت کے بعد اس نے ۱۶۸۶ء میں یہ دریافت کیا کہ مشتری کے گرد بھی کئی چاند چکر لگاتے ہیں۔ نیز یہ کہ فی الواقع ہماری زمین سورج کے گرد حرکت کر رہی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی تحقیقات کو شائع کر دیا تو پادریوں نے اسے مذہب کے خلاف مسائل قرار دے کر اسے سخت مجرم گردانا اور اسے جیل میں ڈال دیا گیا۔ جہاں سے ایک سال بعد اس کی رہائی ہوئی۔

۱۶۸۶ء میں سر آئزک نیوٹن (انگلینڈ) نے کششِ ثقل یا زمین کی کششِ مرکزہ کی تحقیقات کے ذریعہ درجہ ثبوت پر پہنچایا۔ نیز یہ مشاہدہ کیا کہ دوسرے سیاروں میں بھی یہ کشش موجود ہے۔ اور اس کشش کی بنا پر وہ گردش میں رہتے ہیں۔ مزید برآں اس نے حرکت کے قوانین بھی مرتب کئے۔ ان تحقیقات کے باعث

علم ہیئت کو بہت فروغ حاصل ہوا۔ بعد کے ہیئت دانوں نے روشنی کی رفتار، اس کی مدد سے سیاروں کے فاصلے، سیاروں کے حجم، درجہ حرارت، اس کی کشش ثقل، ان کی گردش محوری اور دوری کی مدت نیز مزید کئی قسم کے ستارے اور سیارے دریافت کر لئے ہیں۔

کوپرنیکس کا نظریہ نظام شمسی دراصل فیثاغورث کے نظریہ کا چربہ ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ نظریہ موجودہ تحقیقات کی وجہ سے اس انتہا کو پہنچ گیا ہے جہاں اسے آج ہم دیکھ رہے ہیں۔

موجودہ تحقیقات کی رو سے سورج ساکن ہے جو صرف محوری گردش کرتا ہے۔ اس کے گرد ستارے گردش کر رہے ہیں جن میں تیسرے نمبر پر ہماری زمین ہے۔ اور اس کا سورج سے فاصلہ ۱۵۰ کروڑ ۳۰ لاکھ میل ہے۔ آخری نواں سیارہ پلوٹو ہے جس کا سورج سے ۳ ارب ۶۸ کروڑ میل فاصلہ ہے۔ جسامت کے لحاظ سے بھی ہماری زمین دوسرے سیاروں کی نسبت بالکل حقیر ہے۔

اس نظام شمسی میں سورج ایک ستارہ یا ثابت ہے۔ کائنات میں ایسے ہزاروں ستارے یا ثوابت مشاہدہ کئے جا چکے ہیں اور یہ ستارے یا سورج جسامت کے لحاظ سے ہمارے سورج سے بہت بڑے ہیں۔ ہمارے نظام شمسی سے بہت دور تقریباً ۱۰۰ کھرب کلومیٹر کے فاصلے پر ایک سورج موجود ہے جو میں محض روشنی کا ایک چھوٹا سا نقطہ معلوم ہوتا ہے۔ اس کا نام الف فطورس (ALFA CENTAURI) ہے۔ ایسے ہی دوسرے سورج اس سے بھی زیادہ دور ہیں اور غلامیں ہر طرف ایک دوسرے سے الگ الگ بکھرے پڑے ہیں۔ رات کے وقت وہ آسمان پر روشنی کے ننھے ننھے نقطوں کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ یہ سب ستارے دراصل بہت بڑے اجرام ہیں اور ہمارے سورج کی طرح یہ بھی خود روشن ہیں۔

جسامت کے لحاظ سے سیاروں اور ستاروں کو ہم قسموں میں تبدیل کیا گیا ہے۔ پہلی قسم کو سفید بونو کہا جاتا ہے۔ انکی اوسط جسامت مشتری کے برابر سمجھی گئی ہے۔ اور مشتری کی جسامت نظام شمسی کے باقی سیاروں (جن میں ہماری زمین بھی شامل ہے) کے برابر ہے۔ ہمارا سورج دوسری قسم میں آتا ہے۔ اور سورج کی جسامت زمین سے ۳ لاکھ ۲۰ ہزار گنا زیادہ ہے۔ گویا ہمارا اتنا بڑا سورج بھی بڑے ستاروں میں شامل نہیں ہے۔ تیسرے قسم کے ستاروں کو دیو (GIANTS) اور چوتھی قسم کے ستاروں کو شاہ دیو

(SUPER GIANTS) کہا جاتا ہے۔ ایسے ستاروں کے مقابلہ میں ہمارا سورج ایسے ہی ہے جیسے سورج کے مقابلہ میں ہماری زمین۔ ایسے ہی ایک ستارے کا نام قلب عقرب (ANTARES) ہے۔ اگر اسے اٹھا کر نظام شمسی میں رکھا جائے تو سورج سے سیارہ مریخ تک تمام علاقہ اس میں پوری طرح سما جائیگا۔ جبکہ مریخ کا سورج سے فاصلہ ۴ کروڑ ۱۵ لاکھ میل ہے۔ گویا قلب عقرب کا قطر ۸ کروڑ ۳۰ لاکھ میل کے لگ بھگ

مزید برآں کائنات میں لاتعداد مجمع النجوم اور کہکشائیں، ہیئت و انوں کو درطرح جہت میں ڈال کر ان کے علم کو ہر آن چیلنج کر رہی ہیں۔ جب انسان کائنات کی وسعت اور اس کی اتھاہ پہنائیوں میں مستغرق ہو جاتا ہے تو بلا اختیار قرآن کے یہ الفاظ زبان پر آ جاتے ہیں۔

مَثَلُ نُوْكَاتٍ اِلَيْهِمْ مَّذٰلِكَ لِكُلِّ شَيْءٍ رَّزْقٌ ۚ اَلَمْ تَرَ اَنَّ السَّحَابَ كِهَامَاتٍ سَرَّابٍ ۚ وَ اَلَمْ تَرَ اَنَّ السَّحَابَ مَدَدًا ۚ (المکھت: ۱۸)

”آپ فرما دیجئے کہ اگر ساتوں سمندر اور اتنے سمندر اور بھی میرے رب کے کلمات لکھنے کیلئے سیاہی کا کام دیں تو یہ سب سمندر ختم ہو سکتے ہیں مگر یہ کلمات ختم نہ ہوں گے“

اس سے بھی حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جوں جوں ہیئت و ان مزید طاقتور اور جدید قسم کی دوربینیں استعمال کر رہے ہیں، توں توں اس بات کا بھی انکشاف ہو رہا ہے کہ کائنات میں ہر آن مزید وسعت پیدا ہو رہی ہے۔ سیاروں کے درمیانی فاصلے بھی بڑھ رہے ہیں اور نئے نئے اجرام مشاہدہ میں آ رہے ہیں، بقولِ باری تعالیٰ:

وَالسَّمَاءَ بَنَيْنَاهَا يَاسِينَ ذَاتِ الْكُوسِ ۚ (الذاریت: ۴۷)

”ہم نے آسمان کو قوت و قدرت سے پیدا کیا اور ہم اس میں ہر آن توسیع کر رہے ہیں“

علم ہیئت اور اسلام

علم ہیئت کا مطالعہ:

جوں جوں انسان کائنات اور اجرامِ فلکی کا مشاہدہ کرتا ہے، خدا کی قدرت و عظمت اور جلال اس کے دل پر نقش ہوتا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کائناتی مطالعہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات میں شمار کیا ہے۔ فرمایا:

”سُبْحٰنَہٗ اَیَّٰتِنَا فِی الْاَفَاقِ وَ فِی الْاَنْفُسِ ۚ وَ حَتّٰی یَبۡتَیِّنَ لَہُمۡ اَنۡہُ الْحَقُّ“ (الحج: ۵۲)

”کہ عنقریب ہم انہیں کائنات (اطرافِ عالم) میں اور خود ان کی ذات میں ایسی نشانیاں دکھلائیں گے یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے کہ خدا کی ذات برحق ہے“

اسی مضمون کو ایک دوسرے مقام پر، دوسرے انداز میں بیان فرمایا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات

کی حیرت خیزوں کی طرف توجہ دلائی ہے +

”خدا تعالیٰ سے، اس کے بندوں میں سے، وہی ڈرتے ہیں جو صاحبِ علم ہیں!“
یہاں ہم ایک اہم واقعہ درج کرتے ہیں جس کے راوی علامہ عنایت اللہ مشرقی ہیں۔ یہ واقعہ ان دنوں
سے متعلق ہے جب وہ انگلستان میں زیرِ تعلیم تھے۔

۱۹۰۹ء کا ذکر ہے، اتوار کا دن تھا اور زور کی بارش ہو رہی تھی۔ میں کسی کام سے باہر
نکلا تو جامعہ کیمبرج کے مشہور ماہرِ فلکیات سر جیمز جنس (JAMES JEANS) بغل
میں انیل دبائے چرچ کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے قریب ہو کر سلام کیا تو وہ متوجہ ہوئے
اور کہنے لگے ”کیا چاہتے ہو؟“ میں نے کہا ”دوبانیں۔ اول یہ کہ زور سے بارش ہو رہی ہے
اور آپ نے چھاتہ بغل میں داب رکھا ہے۔ سر جیمز اپنی بدحواسی پر مسکرائے اور چھاتہ اتان لیا۔
دوم یہ کہ آپ جیسا شہرہ آفاق آدمی گرجا میں عبادت کیلئے جا رہا ہے؟ میرے اس سوال پر
پروفیسر جیمز لمحہ بھر کیلئے رک گئے اور پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا، ”آج شام میرے ساتھ
چائے پیو!“

چنانچہ میں شام کو ان کی رہائش گاہ پر پہنچا۔ ٹھیک سہ بجے لیڈی جیمز باہر آکر کہنے لگیں،
”سر جیمز تمہارے منتظر ہیں؟ اندر گیا تو ایک چھوٹی سی میز پر چائے لگی ہوئی تھی۔ پروفیسر صاحب
تصورات میں کھوکے ہوئے تھے۔ کہنے لگے، ”تمہارا سوال کیا تھا؟“ اور میرے جواب کا انتظار
کئے بغیر اجرامِ آسمانی کی تخلیق، ان کے حیرت انگیز نظام، بے انتہا پہنائیوں اور فاصلوں، انکی
پیچیدہ راہوں اور مداروں نیز باہمی روابط اور طوفان ہائے نور پر وہ ایمان افروز تفصیلات
پیش کیں کہ میرا دل اللہ کی اس کبریائی و جبروت پر دہلنے لگا۔ اور ان کی اپنی یہ کیفیت تھی
کہ سر کے بال سیدھے اٹھے ہوئے تھے، آنکھوں سے حیرت و خشیت کی دو گونہ کیفیتیں عیاں
تھیں، اللہ کی حکمت و دانش کی مہیت سے ان کے ہاتھ قدرے کانپ رہے تھے اور آواز
لرز رہی تھی۔ فرمانے لگے، ”عنایت اللہ! جب میں خدا کے تخلیقی کارناموں پر نظر ڈالتا
ہوں تو میری تمام ہستی اللہ کے جلال سے لرزنے لگتی ہے اور جب میں کلبہ میں خدا کے
سامنے سرنگوں ہو کر کہتا ہوں، ”تو بہت بڑا ہے“ تو میری ہستی کا ہر ذرہ میرا ہم نوا بن
جاتا ہے، مجھے بید سکون اور خوشی نصیب ہوتی ہے۔ مجھے دوسروں کی نسبت عبادت
میں ہزار گنا زیادہ کیف ملتا ہے۔ کہو عنایت اللہ! تمہاری سمجھ میں آیا کہ میں کیوں گرے

علامہ مشرقی کہتے ہیں کہ پروفیسر جیمز کی اس تقریر نے میرے دماغ میں عجیب کھرام پیدا کر دیا۔ میں نے کہا، ”جناب والا! میں آپ کی روح پر در تفصیلات سے بچید متاثر ہوا ہوں۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید کی ایک آیت یاد آگئی ہے، اگر اجازت ہو تو پیش کروں؟ فرمایا ”ضرور؟ چنانچہ میں نے یہ آیت پڑھی:

”وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بَیضٌ وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَوَابِیْ سَوَادٌ مِّنَ النَّاسِ وَالْأَنْثَرِ
وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَٰلِكَ إِنَّمَا یَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (فاطر: ۲۸)

یہ آیت سنیے، ہی پروفیسر جیمز بولے:

”کیا کہا؟ اللہ سے صرف اہل علم ڈرتے ہیں؟ حیرت انگیز، بہت عجیب۔ یہ بات جو مجھے پچاس برس مسلسل مطالعہ اور مشاہدہ کے بعد معلوم ہوئی، محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو کس نے بتائی؟ کیا قرآن (مجید) میں واقعی یہ آیت موجود ہے؟ اگر ہے تو میری شہادت لکھ لو کہ قرآن ایک الہامی کتاب ہے۔ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ان پڑھ تھے، انہیں یہ عظیم حقیقت خود بخود معلوم نہ ہو سکتی تھی، یقیناً اللہ تعالیٰ نے انہیں بتائی تھی۔ بہت خوب، بہت عجیب!“ (بحوالہ علم جدید کا چیلنج مؤلفہ وحید الدین خاں ص ۲۱۴-۲۱۵)

سمرائیک نیوٹن جو کشش ثقل و قوتِ جاذبہ (GRAVITY) اور قوانین حرکت کا موجد تسلیم کیا جاتا ہے، نے کائنات کے وسیع مطالعہ کے بعد اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

”کواکب کی حرکاتِ عالیہ ممکن نہیں کہ محض عام قوتِ جاذبہ کا نتیجہ ہوں۔ یہ قوتِ جاذبہ تو کواکب کو شمس کی طرف دھکیلتی ہے۔ اس لئے کواکب کو سورج کے گرد حرکت دینے والا ضرور سی ہے کوئی خدائی ہاتھ جو جو باوجود قوتِ جاذبہ کی کشش کے ان کو اپنے مدارات پر قائم رکھ سکے۔ کوئی سبب طبعی ایسا نہیں بتلایا جاسکتا جس نے تمام کواکب کو کھلی فضا میں جکڑ بند کر دیا ہے کہ وہ سب سورج کے گرد چکر لگاتے وقت ہمیشہ معین مدارات پر اور ایک خاص جہت، ہی میں حرکت کریں جس میں کبھی تغلف نہ ہو۔ پھر کواکب کی حرکات اور درجاتِ سرعت میں ان کی اور سورج کی درمیانی مسافت کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو دقیق تناسب اور عمیق توازن قائم رکھا گیا ہے، کوئی سبب طبعی نہیں جس نے ہر منظم و محفوظ انوائس کو وابستہ کر سکیں۔ ناچار اقرار کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارا نظام کسی ایسے زبردست حکیم و علیم کے ماتحت ہے جو ان تمام اجرامِ سماویہ کے مواد اور ان کی ماہیت سے پورا پورا واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس مادہ کی کس قدر مقدار سے کتنی قوتِ جاذبہ صادر ہوگی۔

اس نے اپنے زبردست اندازہ سے کواکب اور شمس کے درمیان مختلف مسافتیں اور

حکمت مختلف مدارج مقرر کئے ہیں کہ ایک کا دوسرے سے تصادم یا تراحم نہ ہو اور سارا عالم ٹکرا کر تباہ نہ ہو جاسکے۔ (تفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی حاشیہ آیت ۶: ۷۵)

قرآن کریم نے تخلیق کائنات کی طرف بار بار توجہ دلائی ہے، فرمایا:

”أَلَمْ نَكُنْطَرُوكَ فِي مَلَكُوتِ الْمَلَكُوتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ“ (الاعراف: ۱۸۵)

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان اجرام فلکی یا دوسرے نشانات سے ہدایت کی طرف رہنمائی اسی شخص کو حاصل ہوتی ہے اور خدا کی قدرت و عظمت کا سکھ اس شخص کے دل پر بیٹھتا ہے جس کا دل سلیم ہو۔ لیکن جب انسان ہٹ دھرمی پر اتر آئے اور ہر آیت خداوندی کی دوسری دجہ تلاش کرنے پر کمر بستہ ہو تو اسے کوئی بھی چیز ہدایت کی طرف لانے پر مجبور نہیں کر سکتی۔

سیاروں کی خدائی :

اسلام نے انسان کو تمام کائنات سے اشرف تسلیم کیا ہے لہذا وہ ستاروں کی خدائی یا دیوتا کی قطعاً تسلیم نہیں کرتا بلکہ کائنات کی ہر چیز اجرام فلکی سمیت سب کو انسان کا خادم قرار دیتا ہے معبود یا خدا فقط ایک اللہ کی ذات ہے جس نے ان سب چیزوں کو وجود بخشا ہے۔ لہذا اگر کسی دوسرے کی خدائی کا تصور ہوتا تو چاند اور سورج اور دوسرے اجرام کا انسان معبود قرار دیا جاسکتا تھا، چہ جائیکہ یہ اجرام انسان کے دیوتا بنیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”الْمُتَدَرُّوْنَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ“ (لقمان: ۲۰)

”کیا تم دیکھتے نہیں کہ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، سب کو خدا تعالیٰ نے تمہارے قابو میں کر دیا ہے؟“

دوسری جگہ فرمایا:

”وَسَخَّرَ لَكُمْ الشَّمْسُ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمْ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ“ (البقرہ: ۳۳)

اور اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو تمہاری خدمت پر مامور کر دیا ہے جو ایک دستور پر

چل رہے ہیں۔ اسی طرح رات اور دن کو بھی تمہاری خاطر کام میں لگا دیا ہے؟

بھلا ایسے واضح ارشادات کے بعد سیاروں اور ستاروں کی خدائی کا تصور باقی رہ سکتا ہے؟

جو ہماری خدمت پر مامور ہیں۔ ہم علم کے ذریعہ ان سے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کر سکتے ہیں، چاند کے

علاوہ دوسرے بعد ازہدیت © rasailojaraid.com

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ سے مجھ

کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

سیاروں کے اثرات تسلیم کرنا واضح شرک ہے :

انسان نے پہلے سیاروں کو معبود تسلیم کیا اور انسانی زندگی پر، زمین اور اہل زمین پر ان کے اثرات کی بلند معارت کھڑی کر کے انسان کے عقائد میں شامل کر دیا۔ علم نجوم اور علم جوتش کی تخلیق کی۔ اسلام نے ان اثرات کے تسلیم کرنے کو حرم عظیم یعنی اپنی خدائی میں شریک بنانے کے مترادف قرار دیا۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسے عقائد عام تھے۔ ہر اچھی اور بری بات کو سیاروں کی گردش سے منسوب کیا جاتا تھا۔ ایک رات بارش ہوئی جو عرب جیسے بے آب و گیاہ ملک میں ایک عظیم نعمت متصور ہوتی تھی تو صبح آپ نے اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

”وَأَصْبَحُ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ بِالْكَوَاكِبِ فَأَمَّا مَنْ تَكَالَفَ مَطَرًا يَفْعَلُ
اللَّهُ وَرَحْمَتِهِ فَذَلِكَ مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ بِالْكَوَاكِبِ وَأَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرَ مَا يَكُونُ
كَذَا أَوْ كَذَا فَذَلِكَ كَافِرٌ بِي وَمُؤْمِنٌ بِالْكَوَاكِبِ“ (بخاری، مسلم)

”میرے بندوں میں سے کچھ لوگ مجھ پر ایمان لائے اور سیاروں کے منکر ہوئے۔ یعنی جس شخص نے کہا کہ یہ بارش اللہ کے فضل اور رحمت سے ہوئی تو وہ مجھ پر ایمان لایا اور سیاروں کا منکر ہوا اور جس نے کہا کہ یہ بارش فلاں فلاں سیارے کے فلاں فلاں برج میں داخل ہونے سے ہوئی تو وہ میرا منکر ہوا اور سیاروں پر ایمان لایا“

گویا ستاروں کے اثرات کو تسلیم کرنا اور خدا پر ایمان لانا دو متضاد چیزیں ہیں۔ ان میں سے صرف ایک چیز ہی قبول کی جاسکتی ہے۔ جو سیاروں کے اثرات کو تسلیم کرتا ہے وہ مسلمان نہیں ہے۔ اور جو مسلمان ہے وہ ان اثرات کو تسلیم نہیں کر سکتا۔

اسلام نے ایسے اعتقادات کی سخت مذمت کی ہے۔ جدید نظریہ ہیئت نے بھی ایسے معتقدات کو حوصلہ شکنی کی ہے لیکن انفس کہ آج بھی مسلمانوں میں ایسے نجومی اور جوتشی موجود ہیں جو اس قسم کی نظریاں مرتب کرتے ہیں۔ کچھ لوگ سڑکوں پر دوکانیں سجائے بیٹھے ہیں جہاں سے ضعیف الاعتقاد لوگ نہ ان کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ہنتر کا یہ بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ ”علم غیب تو اللہ ہی کو ہے“ یا ”مالک غیبی ہنتر جانتا ہے۔ غالباً ایسے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ فقرہ کہہ لینے کے بعد اس گناہ عظیم کا کفارہ ہو گیا۔

یہاں میں اپنا ایک ذاتی واقعہ پیش کر رہا ہوں جو دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ پچھلے دنوں مجھے ایک کاروبار جو توشی سے ملاقات اور تبادلہ خیالات کا اتفاق ہوا۔ جو اتفاق سے ”مولوی“ تھا اور دین کی سوجھ بوجھ سمجھ رکھتا تھا۔ میں نے اس سے سوال کیا کہ آیا اسلام میں تمہارے اس علم کی گنجائش ہے، جس کے ذریعہ تم لوگوں کو سعد و نحس کے چکر میں ڈال کر پہلے انہیں ڈراتے ہو پھر سیارگان کی نحوست کو زائل کرنے والی خود ساختہ انگوٹھیاں بیچ کر پیسے بٹورتے ہو؟

اس سوال کے جواب میں اس نے حضرت ابراہیم کے درج ذیل قول سے استدلال پیش کیا:

”فَنَظَرْتُ فِي النُّجُومِ فَقَالَ لِي سَقِيمٌ“ (المقت: ۸۸)

”سو ابراہیم علیہ السلام نے سیاروں میں نظر کی اور کہنے لگے، میں تو بیمار ہونے والا ہوں“

میں اس کی اس دھمکی پر سخت متعجب ہوا۔ اور کہا کہ ایسے تجاہل عارفانہ سے کام نہ لیجئے۔ یہ تو ”عذر گناہ بدتر از گناہ“ والا معاملہ ہے۔ حضرت ابراہیم کو میلے میں شرکت سے بچنے کیلئے صرف یہی ایک ایسی ترکیب سوجھی تھی جس پر ان کی قوم مطمئن ہو سکتی تھی۔ ورنہ جو سلوک ان سياروں کے دیوتاؤں کے ساتھ آپ نے کیا وہ آپ کو بھی معلوم ہے۔ اور یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیونکر پچھن ہی میں سیاروں، چاند اور سورج کی دیوتاؤں کی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ قرآن کریم نے متعدد بار کسی دوسرے کیلئے علم غیب کی نفی فرمائی ہے اور کسی مقامات پر ”لَا يَكْفُرُ الْغَيْبُ إِلَّا هُوَ“ کہہ کر غیب کی خبریں بتانے والے سب علوم کو باطل قرار دیا ہے۔ اور دلیل یہ دی ہے کہ جو شخص غیب جانتا ہو اسے تلاش معاش کیلئے در در کی ٹھوکریں کھانے اور محنت و مشقت کی کیا ضرورت ہے؛ خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ اعلان کر دیجئے:

”وَكُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَاسْتَكْتُرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ“ (اعراف: ۱۸)

”اے نبی، آپ فرما دیجئے کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت مال و دولت اکٹھا کر لیتا اور مجھے کبھی

کوئی گزند نہ پہنچتا۔“

گویا علم غیب کے دو فائدے بتلائے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ حصولِ رزق کیلئے محنت و مشقت کی ضرورت نہیں رہتی۔ دوسرا یہ کہ ایسے شخص کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ کیونکہ وہ پہلے ہی اس کا تدارک سوچ لیتا ہے ان وجوہ کی بنا پر میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کو خود بھی اپنے علم پر یقین نہیں ہے۔ ورنہ آپ اپنی کسی تنیک ساعت میں اتنی دولت اکٹھی کر سکتے ہیں کہ آپ کو فٹ پاتھ پر بیٹھ کر یہ انگوٹھیاں اور تعویذ بیچنے

اس بات کا حجاب دینے کی بجائے اس نے اس علم کو صحیح ثابت کرنے کیلئے چند واقعات پیش کئے۔ میں نے عرض کی کہ کسی چیز کا اثر ثابت ہونا الگ بات ہے اور اس کا جائز ہونا چیز سے دگر ہے۔ جادو یا دیگر شیطانی تصرفات سے کون انکار کر سکتا ہے؛ لیکن ان کے جواز کا کوئی بھی قائل نہیں۔ اسی طرح جعفر، رمل یا دیگر ایسے علوم جن سے آئندہ کی خبریں ہم پہنچائی جاتی ہیں، فرضی دھکوسلے ہیں۔ جو کبھی صحیح ہو جاتے ہیں اور کبھی غلط۔ یہ معلوم ناجائز تو ہیں ہی، ان کے غیر مفید ہونے کی بھی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اگر فی الواقع ان کا فائدہ ہے تو ان علوم کے جاننے والے پہلے خود کیوں مستفید نہیں ہوتے؟

مشہور واقعہ ہے کہ ایک بادشاہ بیمار ہو گیا تو اس نے ایک نجومی کو بلا کر اپنی مرض اور صحت کے بارے میں سوال کیا۔ نجومی نے زائچہ تیار کر کے حساب لگایا اور بادشاہ کو بتلایا کہ کل تمہاری موت واقع ہو جائے گی۔ بادشاہ کو یہ بات ناگوار گزری مگر اس نے اپنے چہرے پر اس کا کوئی اثر ظاہر نہ ہونے دیا۔ پھر اس نے اس نجومی سے کہا کہ اب اپنا زائچہ تیار کر کے بتلاؤ کہ تمہاری کتنی عمر باقی ہے؟ اس نے زائچہ تیار کیا اور بتلایا کہ ابھی میں ۱۰ سال تک زندہ رہوں گا۔ بادشاہ نے اسی وقت جلاؤ کو حکم دیا کہ اس نجومی کی گردن اڑا دی جائے۔ بادشاہ کے حکم کی فوری تعمیل کی گئی اور وہ نجومی اسی روز راہی ملک عدم ہوا جبکہ بادشاہ صحت یاب ہو گیا۔ بادشاہ کے اس اقدام سے سیاروں کی گردش میں بھی کچھ فرق نہ آیا اور نہ ہی سیارے اس کا کچھ بگاڑ سکے۔

علم ہیئت کی حقیقت ۱

علم ہیئت ایک ایسا علم ہے جو مشاہدات سے حاصل ہوتا ہے۔ مشاہدہ سے حاصل شدہ نتائج کو مفروضہ کا درجہ دیا جاتا ہے۔ پھر اس مفروضہ کی مزید مشاہدات اور تجربات سے جانچ پڑتال کی جاتی ہے تو یہ حاصل شدہ نتائج، نظریہ (THEORY) کے درجہ میں داخل ہوتے ہیں۔ بعد ازاں جب ایک نظریہ کی دائمی طور پر تصدیق ہو جائے تو یہ نظریہ یقینی علم (LAWS) بن جاتا ہے۔ علم ہیئت نظریہ کے مراحل میں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سابقہ مختلف ادوار میں کبھی تو زمین کو متحرک اور سورج کو ساکن قرار دیا جاتا رہا ہے اور کبھی سورج کو متحرک اور زمین کو ساکن تسلیم کیا گیا ہے۔

اس کی مثال یوں سمجھئے کہ انسان کی بیماری اور اس کے علاج کا کیونانی نظریہ طب، ایلوپیتھک طریق علاج اور نظریہ سے بالکل مختلف ہے۔ دونوں نظریات کی بنیاد، تشخیص مرض، طریق علاج، ایک ایک چیز میں فرق ہے۔ لیکن دونوں اپنے اپنے میدان میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ بعض وجوہات کی بنا پر کبھی ایک نظریہ قبولیت عام کا درجہ حاصل کر لیتا ہے اور کبھی دوسرا سامنے آ جاتا ہے۔

بھی صورت حال علم ہیئت کی ہے علم ہیئت میں سورج کو ساکن اور چاند گرہن کے وقت کے

تعیین کا مسئلہ ذرا پیچیدہ سا ہے۔ اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ آیا زمین حرکت کر رہی ہے یا سورج؟ چاند کی حرکت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لہذا دونوں نظریات کے مطابق ایک قمری ماہ میں چاند، سورج اور زمین دو بار ایک سیدھ میں آجاتے ہیں۔ بدیع یعنی چودھویں کو سورج اور چاند کے درمیان زمین آجاتی ہے۔ لہذا چاند گرہن جب بھی ہوگا چودھویں کو ہوگا۔ اسی ۲۸ تا ۲۹ قمری تاریخ کو سورج اور زمین کے درمیان چاند آجاتا ہے۔ لہذا سورج گرہن انہی تاریخوں میں لگ سکتا ہے۔ لیکن ہر ماہ یہ واقعہ اس لئے پیش نہیں آتا کہ زمین اور چاند یا سورج اور چاند کی اپنے اپنے مدار پر حرکت مستوی نہیں ہے بلکہ ۵° درجے کا جھکاؤ ہے۔ لہذا یہ اجرام بس اوقات بچ بچا کر ٹکرا جاتے ہیں اور سورج یا چاند گرہن کا موقع کبھی کبھار ہی آتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جس طرح موجودہ نظریہ ہیئت کا عالم سورج گرہن اور چاند گرہن کا بالکل صحیح حساب پیش کرتا ہے۔ جین اسی طرح وہ نجومی بھی سورج گرہن اور چاند گرہن کا منٹ اور سیکنڈ تک صحیح حساب لگا کر کافی مدت پہلے اعلان کر دیتا ہے۔ تو عام مشاہدہ کی رو سے ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ کسی ایک کی تصدیق اور دوسرے کی تکذیب کر سکیں۔ دن رات کی تخلیق، موسموں کا تغیر و تبدل وغیرہ سب نتائج دونوں نظریات کے مطابق درست پائے جاتے ہیں۔

قرآن اور نظریہ ہیئت

قرآن کا اصل موضوع ہدایت ہے۔ لہذا کائنات میں غور و فکر کی بیشتر توجہ اس لئے دلاتا ہے کہ انسان کے دل پر خدا کی عظمت و قدرت کا نقش مرتب ہو۔ سورج حرکت کرتا ہے یا زمین؟ اس سلسلہ میں قرآن اپنے پہلے مخاطبین کی سمجھ اور عام مشاہدات انسانی کا لحاظ رکھے گا اور یہ ہم بتلا چکے ہیں کہ اس دور میں بطلمیوسی نظریہ ہیئت ہی قبولیت عام کے درجے پر تھا۔

دوسری خصوصیت جو قرآن مجید کے الفاظ میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ نظریات کی تبدیلی کے باوجود اس کے الفاظ میں ایسی جامعیت پائی جاتی ہے کہ وہ ہر دور اور ہر زمانہ کا ساتھ دے سکتے ہیں اور یہی قرآن مجید کا اعجاز ہے۔ اب ہم انہی دو خوبیوں کے تحت قرآنی آیات کا مطالعہ کریں گے۔

۱۔ سورج کی حرکت کے متعلق ارشاد فرمایا:

”والشمس تجري مستقرها ذالك لقد مير العزيم العليم“

”اور سورج اپنے جائے قرار پر چل رہا ہے۔ یہی غالب اور خوب جاننے والے کی قدرت

شاہدہ، اول مخاطبین اور نظریہ بطلموس پر یقین رکھنے والے نو اسے بالکل درست تسلیم کرتے ہیں۔
موجودہ نظریہ ہیئت کی رو سے بھی سورج اپنے محور کے گرد حرکت کر رہا ہے جو ۲۵ دن ۴ گھنٹے میں مکمل
ہوتی ہے۔ اور یہ تو واضح ہے کہ مستقر کا معنی مدار کے بجائے جائے فرار زیادہ مناسب ہے، تاہم اس میں
ہر دو معنی پائے جاتے ہیں۔

مزید برآں نظریہ فیثاغورث (جس کا موجودہ نظریہ ہیئت ایک تازہ چربہ ہے) میں یہ غالب امکان
موجود ہے کہ عین ممکن ہے کہ ہمارا سورج اپنے نظام شمسی سمیت کسی دوسرے بڑے سورج کے گرد چکر
کاٹ رہا ہو۔

۲۔ چاند کی منازل کے متعلق فرمایا :

”وَالْقَمَرَ قَدَرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ“ (النسب : ۳۹)

”اور چاند کیلئے ہم نے منزلیں تجویز کر دی ہیں تا آنکہ وہ کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح (خمیدہ اور پتلا)
ہو جاتا ہے“

آیت بالا کے الفاظ ”منازل“ سے چاند کے لئے ۲۸ منزلیں مقرر کرنے والے تو بہر حال مطمئن ہو ہی
گئے ہوں گے۔ لیکن بہت سے علماء کے نزدیک یہاں منازل سے مراد ۲۸ متعینہ منزلیں نہیں بلکہ اشکالِ قمر
ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آخر میں ہلال (نئے یا پہلی رات کے چاند) کا ذکر کیا گیا ہے۔

۳۔ آسمان کے برج کے متعلق فرمایا :

”وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّظِيرِينَ“ (العنبر : ۱۸)

”اور ہم نے آسمان میں برج بنائے اور اس آسمان کو دیکھنے والوں کیلئے سجایا“

ایک عام قاری اس آیت میں برج کے لفظ سے وہی برج مراد لیتا ہے جو اہل ہیئت نے فلکِ ہشتم پر
بنارکھے ہیں، تو اس کی مرضی ہے۔ ورنہ آیت کا سیاق اس کی تائید نہیں کرتا کیونکہ ان برجوں میں سے اکثر
برجوں کی اشکال کا زینت سے دور کا واسطہ نہیں۔ بھلا سرطان، بھجور، ترازو اور دول وغیرہ کیا خوبصورتی
پیدا کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر علماء نے یہاں برج سے ستارے اور سیارے مراد لئے ہیں جو
رات کے وقت آسمان کو زینت بخشے ہیں۔

برج کے لغوی معنی قلعہ اور محل کے آتے ہیں۔ یہ معنی بھی آیت مذکورہ میں استعمال ہو سکتے ہیں۔

نیز :

”وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ“ (النسب : ۳۹) میں بھی معنی لئے جاسکتے ہیں۔

اسی طرح اس آیت :

”أَيُّ مَا تَكُونُوا أُولَئِكَ مَوْتٌ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّةٍ“ (النساء: ۷۷)

”تم جہاں کہیں بھی ہو گے، موت تمہیں آلیگی خواہ تم پلے شدہ قلعوں میں ہو!“ — میں بھی برج کا معنی قلعہ اور محل ہی ہو سکتا ہے، فلک ہشتم کے فرضی برج نہیں ہو سکتے۔

۴۔ سات آسمان :

سات آسمانوں کا ذکر قرآن کریم میں متعدد بار اور اس کے علاوہ احادیث میں آیا ہے۔ لہذا پہلے لفظ ”سماء“ کی تحقیق ضروری ہے۔

سمار کا لفظ بلندی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ بلندی یا راسی سمت میں فاصلہ یا دوری تھوڑی سی ہو تب بھی سمار ہے، زیادہ ہو تب بھی سمار (آسمان) ہے اور بہت ہی زیادہ ہو تب بھی سمار ہی ہے۔ مثلاً یہ ارشاد باری تعالیٰ :

”وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً“ (البقرہ)

اور اس نے آسمان سے مینہ برسایا۔

یہاں سمار سے مراد بادل ہیں۔ جو سطح زمین سے عموماً ایک ڈیڑھ میل کی بلندی پہاڑ تھے پھرتے ہیں اور اس معمولی سی بلندی کیلئے بھی سمار (آسمان) کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

جبکہ اس آیت میں :

”إِنَّا قَدْ خَلَقْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزَيْنَةٍ إِنَّكَ لَنَاقِبُ“ (المعین: ۶)

کہ ”بیشک ہم ہی نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین کیا۔“

اتنی زیادہ بلندی مراد ہے جتنی دوری پر کہ ستارے چمکتے ہیں۔ وہ عواہ لاکھوں میلوں پر مشتمل ہوا کوڑا اور ارب ہا میلوں پر۔ درج ذیل آیت میں سمار (آسمان) کا لفظ بہت ہی زیادہ بلندی، اتنی بلندی جو سات آسمانوں کی بلندی سے بھی زیادہ ہو یعنی لا محدود بلندی کیلئے استعمال ہوا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :

”ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ“ (البقرہ)

”پھر خدا تعالیٰ آسمان کی طرف متوجہ ہوا تو انہیں ٹھیک سات آسمان بنا دیا۔“

لفظ سمار کی طرح حرف لغت میں اور بھی کئی ایسے الفاظ ہیں جو مفرد میں کمی بیشی کے باوجود یکساں طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ انہی میں ایک لفظ سوم ہے جس کا ترجمہ ”دن“ کیا جاتا ہے۔ زمین پر یہ دن

۲۲ گھنٹے کا ہے۔ چاند تقریباً ایک ماہ کا دن ہے۔ عطارد (MERCURY) پر یہ دن ہمارے ۳۸ دنوں کے برابر ہے۔ قطب شمالی اور جنوبی پر تقریباً ایک سال کا ہے علیٰ انہذا القیاس یوم الحساب ۵۰ ہزار برس (ہمارے موجودہ حساب سے) کا ہوگا اور اس کے لئے بھی یوم کا لفظ ہی استعمال ہوا ہے۔ موجودہ ہیئت دان کسی آسمان کے قابل نہیں ہیں۔ ہم ان سے بعد احترام گوارش کریں گے کہ انکی تمام تحقیقات کی رسائی ابھی پہلے آسمان یا آسمان دنیا تک بھی نہیں ہو سکی تو پھر وہ اس کی تردید کیونکر کر سکتے ہیں؟ ان کی تحقیق خواہ کتنی طاقتور اور جدید قسم کی دوربینوں سے ہو خواہ وہ پلوٹو کی دوری ہو یا الفطرطی کی یا قلبِ عقرب کی۔ یہ سب کچھ آسمان دنیا کی زینت بنے گا اور جو کچھ ابھی مزید تحقیق کے دائرہ میں آئیں گے، وہ بھی آسمان دنیا تک ہی محدود ہوگا۔ مندرجہ ذیل دونوں آیات اسی دعویٰ کی تائید کر رہی ہیں:

۱۔ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّظِيرِينَ (العنبر: ۱۷)

۲۔ وَإِنَّا بَنَيْنَا السَّمَاءَ السُّنِّيَّةَ بَنِينَ ثَبَاتٍ الْكُوكَبِ (الفصحت: ۶)

باقی چھ آسمان اس آسمان دنیا سے ماورا ہیں۔ اور ان تک دسترس انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ ان تک رسائی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدا کی قدرت کاملہ کی وجہ سے ہوئی اور وحی کے ذریعہ ہمیں سات آسمانوں کا علم حاصل ہوا ہے۔ آج کا ہیئت دان بھی جب کائنات کی وسعت کا خیال کر کے ورطہ حیرت میں پھنس جاتا ہے تو دلی زبان سے اس کے منہ سے ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں جن سے اس علم وحی کی تائید ہوتی ہے۔ ہمارے صفت قرآن کریم میں بنار (چھت) اور سفوف محفوظ (محفوظ چھت) بیان کی گئی ہے جس سے مراد یہ ہے کہ آسمان دنیا کا کوئی ستارہ یا سیارہ زمین پر گر کر اسے تباہ و برباد نہیں کر سکتا۔

۵۔ فلک اور سما:

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہماری زبان میں فلک اور سما دونوں کا ترجمہ آسمان کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ دونوں الفاظ کا مفہوم جدا جدا ہے۔ سما کا مفہوم تو اوپر بیان ہو چکا۔ فلک سے مراد کسی بھی سیارہ کا وہ مدار ہے جس پر وہ گردش کر رہا ہے۔ بموجب قول باری تعالیٰ:

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ تُسَالِقُ الشَّهَارَ وَكَفَىٰ فِي قَوْلِكَ يَسْجُونَ، وَلَيْسَ:

”یہ ناممکن ہے کہ سورج چاند کو جا پکڑے اور نہ ہی رات سے پہلے دن آ سکتا ہے۔ تمام سیارے اپنے اپنے مدار پر (خلا میں) تیر رہے ہیں“

اور نظریہ بطلمیوس کے موجدین نے ہر جگہ فلک کا لفظ استعمال کیا ہے نہ کہ سما کا!